# تعزیہ وگریہ اور مسئلہ بدعت

سید زائر حسین کاظمی، لکھنؤ

گذشتہ سال کے عشرہ محرم کے موقع پر پرانے لکھنؤ کی چند مسجدوں کے دروازوں پر کچھ شرپسندوں نے پوسٹر چپکار کھے تھے کہ تعزیہ داری، گریہ، مجلس، ماتم بدعت، شرک اور حرام ہے۔ کچھ اخبارات اور میگزین بھی اس کی حمایت کرتے ہوئے لکھ دیتے ہیں کہ مغربی بنگال کی جماعت اسلامی کے ایک معزز رکن نے ایک اچھا مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا "آؤ پھر ایک کربلا نہ کریں" یہ مضمون اخبار مشرق کلکتہ میں شائع ہوا تھا۔ چودہ سال گزرنے کے بعد آج بھی تعزیہ داری، ماتم، گریہ تابوت اور ذوالجناح کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ رسمیں صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے تقریباً ہر ملک میں منائی جاتی ہے۔ امریکہ اور یوروپی ممالک میں بھی یہ رسمیں منائی جاتی ہیں۔

لغوی اعتبار سے بدعت کے کیا معنی ہیں سب سے پہلے ہم کو اس پر نظر ڈالنی چاہئے۔ "جامعہ اللغات اردو" میں، جس کو دیوبند کے مولوی محمد رفیع نے ترتیب دیا ہے، بدعت کے معنی نئی بات، نئی رسم" لکھا ہے اور واضح کیا ہے کہ وہ نئی بات یا نئی رسم جو آنحضرت کے زمانے میں نہ تھی۔ اس معنی کی روشنی میں ہر وہ چیز جو آنحضرت کے دور میں نہ تھی اور وہ آج رائج ہے تو وہ بدعت ہے۔ ٹیلیفون، ریڈیو، موبائل، ہوائی جہاز، گھڑیاں۔ توانائی مشین، صحت عامہ کے جدید وسائل وغیرہ آنحضرت کے زمانہ میں نہیں تھے اور آج کے دور میں یہ ضروریات زندگی بن چکی ہیں۔ کیا مسلمان بدعت کہہ کر ان چیزوں کا استعمال ترک کرسکتا ہے پاسپورٹ پر تصویروں کا چپکانا اگر بدعت ہے تو علمائے دین اس سلسلے کو ختم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ پاسپورٹ پر تصویر نہ ہونے سے پاسپورٹ اور ویزا جاری نہ ہوسکے گا اور مسلمان نہ تو حج پر جاسکے گا نہ دیگر مسلم یا غیر مسلم ممالک کا دورہ بھی نہ کرسکے گا ہر مسلمان اپنے ملک کے

کنوئیں کا مینڈک بن کر رہ جائے گا ساری دنیا سے رابطہ منقطع ہو جائے گا۔

اب رہی رسم، تو اہل لغت میں رسم کے معنی لکھے ہیں۔ نقش ونشان، قانون، ریت، رواج'' حضور کے زمانے میں دار العلوم، یونیورسٹیاں لائبریریاں، سائنسی تجربہ گاہیں، اخبارات، تنظیمیں وانجمنیں، سیاسی پارٹیاں، ٹریفک اور جہاز رانی کے قوانین، دیگر دیوانی قوانین، پولیس، پارلیمنٹ، قانون ساز اسمبلیاں یہاں تک کہ پاسپورٹ وغیرہ کا بھی رواج نہ تھا۔ قومی ترانوں کی ریت نہ تھی۔ قومی جھنڈوں کا رواج نہ تھا۔ (البتہ طبل جنگ کا رواج تھا جس کی نقل اکھاڑوں میں اور جلوسہائے عزا میں ہوتی ہے۔) تو کیا ان نئی باتوں کے ساتھ ساتھ ہم لوگ ان نئے نقوش نشانات، قوانین، ریت، رواج سب ترک کردیں اس لئے کہ آنحضرت کے زمانہ میں یہ سب نہ تھا، نہ استعمال کیا گیا نہ اختیار کیا گیا؟

ان ہی دشواریوں کے حل کے لئے مفتیان دین اور مجتہدین العصر کی ضرورت ہے۔ اہل سنت کے مفتیان دین اور شیعوں کے مجتہد العصر کا اس مسئلہ بدعت پر ایک ہی فیصلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو بات یا رسم حضورؐ نے صریحاً منع کردی اس کا کرنا ناجائز بلکہ حرام ہے۔ باقی ہر بات اور ہر رسم جو احکام قرآنی میں بھی ممنوع نہیں ہے مباح ہے جائز ہے اور اختیار کی جاسکتی ہے بدعتیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیہ۔ اس معاملہ میں لکیر کا فقیر ہونے کی ضرورت نہیں، بدعت حسنہ مستحسن ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ تعزیہ داری شریعت میں بدعت ہے، تو کس شریعت کی بات کی جاتی ہے؟ اب تو ملت میں کئی شریعتیں رائج ہیں۔ اور ہر مسلمان جس مسلک کا پابند ہے اسی کو صحیح شریعت اسلامی سمجھتا ہے۔ بدعت کے شرعی معانی کے لئے اطلاق سمجھنے کے لئے پہلے یہ طے کرنا ہے کہ شرع اسلامی کیا ہے؟ مسلمانوں میں چار امام ہیں اہل سنت کے اور بارہ امام شیعوں کے ہیں۔ سنیوں کے چار اماموں کی شریعتیں یا شریعت پر تفسیریں الگ الگ ہیں، امام شافعی، امام حنبلی، امام مالکی اور امام ابوحنیفہ۔ ہندوستان کے اہل سنت مسلمان عموماً امام ابوحنیفہ کی تفسیر

شریعت پر چلتے آئے ہیں۔ چند دیگر ممالک میں امام شافعی اور کہیں امام مالک کی بتائی ہوئی شریعت بھی رائج ہے۔ شیعوں کے دوازدہ (۱۲) امام سب امام اول علی ابی ابن طالبؓ کی وقت سے ایک ہی شریعت کے پابند ہیں جس کی تفسیر امام جعفر صادقؒ نے کی ہر دور اور ہر ملک میں رہے ہیں۔ یہ پانچوں تفسیریں اسلام کی ہی شریعت کی مانی گئی ہیں۔ باوجود چند آپسی سطحی اختلافات کے۔ ہندوستان کے دور حاضر کے اسلامی مورخ قانون دان۔ اور محقق پروفیسر ڈاکٹر طاہر محمود نے بھی اپنی تصنیفات میں ان پانچوں کو شیعہ سمیت مختلف شریعت ہائے اسلامی گردانا ہے۔ عیسائی طاقتوں کی مہربانی سے اب تو ان شریعتوں میں اور بھی اضافہ ہوا ہے۔

شیعہ علماء تو تعزیہ، علم، ضریح، ذوالجناح وغیرہ کو شریعت کے مطابق جائز و مستحسن مانتے ہی ہیں، اہل سنت کے علماء تعزیہ وغیرہ کو وہی جواز ہزار سال سے دیتے آئے ہیں۔ ۱۸۵۷ء سے قبل یعنی ہندوستان میں انگریزی راج کی آمد سے قبل کب کسی سنی عالم دین اسلام نے اعتراض کے یہ شوشے شریعت کا بہانہ کرکے ملت میں چھوڑے اور افتراق پیدا کرلیا؟ حضرت سید جہانگیر اشرف سمنانی حضرت خواجہ سید معین الدین چشتیؒ حضرت سید نظام الدین اولیاء، حضرت سید وارث علی شاہ اور دیگر اہل سنت بزرگان دین نے اپنی اپنی حیات طیبہ میں حضرت امام حسینؓ کی تعزیہ داری کی، اپنی درگاہوں اور خانقاہوں میں امام باڑہ بنوائے، علموں سے اپنے امام باڑوں کو سجوایا، ضریح امام عالی مقام رکھی، تعزیے رکھوائے۔ وہ حضرات مجلس حسینیؓ منعقد کرواتے تھے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ سینہ زنی اور نوحہ خوانی کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ آج ہندوستان کا مقبول ترین جلوس تعزیہ لاکھوں برادران اہل سنت کے ساتھ یوم عاشورہ محرم کو اجمیر شریف میں درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز سے ہی نکل کر شہر میں گشت کرلیا جاتا ہے۔ اسی طرح درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء، درگاہ حضرت مخدوم شاہؒ کچھوچھہ شریف، اور درگاہ وارثی دیوہ شریف میں برادران اہل سنت اپنے بزرگان دین کی قائم کردہ رسم ورواج کو باقی رکھے ہوئے تعزیہ داری، مجلس، سینہ زنی، گریہ اور ہر قسم کے اظہار غم حسینؓ کو اپنائے

ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ہاتھ کا ،زنجیروں کا اور قما کا ماتم بھی برادران اہل سنت اپنے تعزیہ کے جلوسوں میں کرتے ہیں ۔آگ پر ماتم بھی کرتے ہیں۔ ہر درگاہ اور خانقاہ میں اہل سنت ہی یہ جلوس تعزیہ وماتم بروز عاشورہ نکالتے ہیں۔ ہندوستان میں محرم کی رونق بلکہ ملک گیر تعطیل بھی عام مسلمانوں کی تعزیہ داری سے ہے۔ ورنہ شیعوں کی اور بھی تقریبیں ۱۳ر رجب ۲۱ر رمضان اور ۱۸ ر ذی الحجہ کو ہوتی ہیں جو محسوس نہیں کی جاتیں۔ لہذا اکس مسلمان کے منہ میں دانت ہیں جو حضرت مخدوم شاہ حضرت خواجہ اجمیری حضرت نظام الدین اورسرکارورانیؒ جیسے اہل سنت رہبران ملت اسلامیہ کو بدعتی کہے اور علم دین وشریعت اسلام سے کماحقہ ناواقف سمجھے محض اس لئے کہ یہ رہبران دین مبین جن کے دم سے آج ہندوستان کے کونے کونے میں کلمہ حق قائم ہے سیدنا حضرت امام حسینؓ کا تعزیہ رکھتے تھے، شہید اعظم پر گریہ کرتے تھے اور سینہ کوبی کو جائز سمجھتے تھے۔

ہاں یہ بھی نئے زمانہ کی تاریخ اسلام کی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مغربی عیسائی سامراجی طاقتوں نے ممالک اسلامیہ میں اپنی سیاسی مقاصد برآری کیلئے دین وملت اسلامیہ میں گزشتہ تقریباً دوسوسال سے رخنہ اندازیاں کروانا شروع کردیں۔ اس سے قبل اسپین کی اپنی کھوئی ہوئی حکومت اسی حکمت عملی سے وہ لوگ واپس لے چکے تھے، اور یہی شریعتی نفاق بین المسلمین پھیلا کر دیگر اسی ممالک اسلامی پر اپنا غلبہ، اقتدار واختیار قائم کرلیا جو بیشتر جگہ آج بھی باقی ہے۔ دنیا کی سب سے وسیع حکومت اسلامی جو ہندوستان میں صدیوں کی کدوکاوش سے قائم ہوئی تھی اس کو بھی سامراجی عیسائی طاقت نے نہایت عیاری کیساتھ افتراق بین المسلمین کے آزمودہ ہتھیار کے ذریعہ فنا کرا کے ۱۸۵۷ء کی لڑائی کے بعد خود اپنی حکومت قائم کرلی۔ اور بالآخر مسلمانوں کے عالمی ملی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے ۱۹۲۰ء میں مسند خلافت اسلام ہمیشہ کے لئے ختم کروادی۔ لیکن مغربی فہم فراست پر داد دئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ یہ تمام افتراقی کارستانیاں نہایت خوشگوار اور قابل قبول طریقوں سے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں اس طرح

کروائی گئیں کہ مسلمانوں نے بیشتر نا دانستگی میں ملت اسلامیہ کو تباہ کیا اور تباہ کئے چلے جارہے ہیں۔صرف گذشتہ ۲۰۰ سال کے دوران نجد سے وہابی نیز ایران سے قادیان و اور دیگر ہندوستانی شہروں سے بھی نت نئی دینی تحریکیں شریعت اسلام میں رائج اور قائم کروادی گئیں ۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ نئی دینی روشن خیالی ہندوستان میں ۱۸۵۷ عیسوی کے بعد انگریزی حکومت قائم ہوتے ہی یکا یک اور یکے بعد دیگرے کیوں اور کیسے شروع ہوگئیں۔ اور اس سے قبل ہزار سال تک ملت اسلامیہ ہند میں ایک بھی نیا دینی مسلک کیوں نہ قائم ہوا؟ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ نئی دینی تحریکیں، نئی شریعتیں اور نئے مسلک جن کا پرچار آج بھی زور دار طریقہ سے ہندوستان میں ہورہا ہے اتنی پختہ ہوچکی ہیں اور اتنی جڑ پکڑ چکی ہیں کہ انکو مٹانا یا محو کرنا اب ناممکن ہے۔ ان نئے عقائد اور نئی شریعتی تفسیروں کے پیروکار اپنے دل وجان سے یقین کرنے لگے ہیں کہ جو انھوں نے اپنے دور طالب علمی میں حاصل کیا ہے وہی صحیح اسلام ہے۔لہذا ان برادران ملت کی نیت پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ان کے پیروؤں کی نیت پر۔

ویسے اسلامی معاشرہ میں اصلاح کی ضرورت یقینی ہے۔ بہت سے نقصان دہ اور غیر مستحسن رسم ورواج اور بدعات سیئہ تقریباہر مسلک اور ہر اسلامی معاشرہ میں داخل ہوگئے ہیں لیکن ہر مسلک کے اپنے علمائے دین اور اپنے عمایدین ہی اپنے پیروؤں اور مسلک والوں کی اصلاح کامیابی کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ اگر ایک مسلک کے قاید چاہیں کہ دوسرے اسلامی مسلک کی اصلاح کردیں جس کی بڑی خواہش اور کوشش مسلسل ہوتی رہتی ہے، تو یہ عمل ہرگز اس دوسرے مسلک والوں کیلئے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔نتیجہ میں تلخی اور افتراق پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ آج کے ہندوستانی حالات کے تحت امید رکھنا یا کوشش کرنا کہ سب شیعہ سنی ہوجائیں اور سب سنی وہابی ہوجائیں یا سب مسلمان وہابی سمیت اپنے اپنے مسلک ترک کرکے صرف مسلمان ہوجائیں ایک ناقابل عمل امید موہوم ہے بلکہ اس تبدیلی مسلک کی

حقیقتاً اب کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ عیسائیوں میں بھی متعدد مذہبی فرقے ہیں روسن کیتھلک پروٹسٹنٹ، میتھڈسٹ وغیرہ وغیرہ۔ اور انکا بنیادی اختلاف ہے حضرت عیسیٰ کی الوہیت یا بشریت پر انجیل کی حقیقت پر حضرت مریمؑ کی حیثیت پر۔ مگر ان اختلافات کے باوجود دنیا میں عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہے کوئی عیسائی فرقہ دوسرے عیسائی فرقہ سے نہیں الجھتا۔ بلکہ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے عقائد سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی اس کے پیروؤں کا احترام کرتا ہے اور ان میں اپنا مسلک اختیار کرانے کی کوشش کی حماقت نہیں کرتا۔ اس طرح دنیا میں ہر عیسائی فرقہ صرف غیر عیسائیوں میں تبلیغ کرتا ہے اور وہ اپنے اپنے عقاید ومسلک پر ہی سہی دنیا کے انسانوں کو خاموشی سے عیسائی بناتے چلے جارہے ہیں۔ خود ہمارے ملک میں ناگالینڈ، میزورم، اروناچل وغیرہ عیسائی اکثریتی ریاستیں ہوچکیں اور منی پور تریپورہ، آسام کے بیشتر علاقے یہاں تک کہ مغربی بنگال اور اڑیسہ کے معتد بہ حصے عیسائی ہوئے چلے جارہے ہیں اور لاکھوں مسلمان بھی ان علاقوں میں خاموشی سے مرتد ہوکر عیسائی ہوچکے ہیں مگر افسوس ہے مسلمانان ہند کے مسلک پرست علماء عمائدین اور قائدین پر جو اپنا سارا زور فرقہ بندی اور شریعتی تکرار پر صرف کرکر کے خوش ہیں۔ یہ وقت ملت اسلامیہ ہند کے ہر مسلک کو اس کے علماء پر بھروسہ کرکے اس کے حال پر چھوڑ دینے کا ہے۔ اور سب مسلمانوں کو آپس میں فرقہ وارانہ اتحاد قائم کرکے ملت کے بچاؤ اور فروغ کی فکر کرنی چاہئے۔

شیعوں کی پوزیشن تاریخ اسلام کے ہر دور اور ہر ملک میں مظلوم ہی رہی ہے۔ یہ مسلمانوں میں رونے والا فرقہ مشہور ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ نئی فکر اسلامی کے پرچار کرنیوالے شیعوں کو رونے بھی نہیں دینا چاہتے۔ حضرت امام مظلومؑ کی شہادت پر ہی نہیں ان کی زندگی میں بھی جو مصائب ان پر گزرے اور جن پر شیعہ وسنی مسلمان ہزار سال سے گریہ کرتے آئے ہیں اس کو بھی بدعت اور حرام قرار دیا جارہا ہے۔ کیا صرف گزشتہ ۱۰۰ یا ۲۰۰ سال قبل کے قائم شدہ نئے مسلک اور اس کی نئی شریعتی تخلیق کہ حسین پرونا اور نبیؐ کا میلاد

منانا بدعت ہے ۱۴۰۰ سال قبل یعنی ابتدائے اسلام سے شیعوں اور سنیوں میں مشترکہ طور پر رائج شریعت محمدیؐ کو منسوخ کر سکتی ہیں؟

جنگ احد کے بعد جب بچا کچا لشکر اسلام مدینہ واپس آیا تو ہر گھر میں ماتم بپا تھا سب عورتیں اپنے ان اعزاء کے غم میں گریہ کر رہی تھیں جو جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ شہر کا یہ منظر دیکھ کر حضرت رسولؐ خدا نے جو خود بھی اپنے چچا حضرت حمزہ کی شہادت پر گریہ کناں تھے فرمایا کہ افسوس میرے چچا علمبردار لشکر اسلام پر رونے والا کوئی نہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت سعد ابن معاذ صحابی رسولؐ اٹھے اور سارے شہر کا گشت لگا کر گھر گھر عورتوں سے بآواز بلند کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے وارثوں پر رونا بند کرو اور حضورؐ اکرم کے عم معظم حمزہ کی صف ماتم بچھاؤ، آنحضرت کو تاسف ہو رہا ہے کہ ان کے چچا پر جنھیں اس وقت سید الشہداء کا لقب عطا ہوا تھا رونے والا کوئی نہیں ہے۔ یہی تاریخی واقعہ زندہ جاوید پر یعنی شہید راہ خدا پر گریہ کے جواز میں پیش کرنا کافی سند ہے۔ (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۲۸۳۔ اور سیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۲۶۸ طبع مصر ۱۳۲۹ھ

لیکن اور بھی تاریخی حقایق ہیں جن کا عقیدہ اور مسلکی تخیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس وقت حضرت ختمیؐ مرتبت نے رحلت فرمائی تو ام المومنین حضرت عائشہؓ نے نہ صرف شدید گریہ کیا بلکہ اپنا گریبان چاک کیا اور منہ پیٹا جو ماتم کرنے کا ایک رائج طریقہ ہے۔ (مناہج النبوۃ ترجمہ مدارج النبوہ ج ۲ ص ۷۹۹۔ تاریخ خمس ج ۲ ص ۱۱۴)

بعد وفات پیغمبرؐ اسلام خلیفہ دوم نے حضورؐ کی موت کو حیات سے تشبیہ دی اور حضرت رسولؐ خدا پر گریہ کیا۔ (سیر الحلبیہ ج ۲ ص ۲۶۹)

حضرت فاطمہ زہرا سیدۃ النساء العالمین تو اپنے پدر بزرگوار کی رحلت پر جتنے دن زندہ رہیں روتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کے رونے سے اہل مدینہ کے کاروبار میں خلل پڑنے کے سبب خلیفہ اول نے مدینہ کے باہر جنت البقیع میں ایک مستقل بیت الحزن کا انتظام کروایا جہاں جناب سیدہ برابر جا کر جناب رسولؐ خدا پر گریہ کیا کرتی تھیں۔ تاریخ اسلام کے اس

واقعہ کی صحت متفقہ علیہ اور اتنی غیر متنازعہ ہے کہ اس کے لئے حوالے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت زین العابدین ابن امام حسینؓ کا گریہ بھی تاریخ اسلام کی کھلی حقیقت ہے۔ حضرت زین العابا سانحۂ کربلا کے بعد ۳۴ سال زندہ رہے اور آخر وقت تک اپنے پدر بزرگوار کے مصائب اور ان کی شہادت کے واقعات یاد کرکر کے ، بیان کرواکروا کے ، اور خود بیان کرکر کے روتے رلاتے رہے۔ مجلس عزائے حسینی کا رواج شہید کربلا کے فرزند وجانشین حضرت امام زین العابدینؒ کا قائم کیا ہوا آج تک باقی ہے۔

اپنے چاہنے والوں کی مصیبت اور موت پر رونا عین فطرت انسانی ہے۔ چاہے وہ موت شہادت کا درجہ کیوں نہ رکھتی ہو۔ یہ اظہار غم کا نہایت مہذب اور شایستہ طریقہ ہے۔ بلکہ ایسے وقت نہ رونا شقاوت قلب کا مظہر ہے رونا کوئی بزدلی کی علامت نہیں ہے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ غار میں روئے تھے۔ قرآن مجید نے رونا ایک مستحسن فعل قرار دیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے گریہ کا ذکر کرتے ہوئے مرقوم ہے۔

وقال یاسفی علی یوسف وابیضت عینه من الحزن فهو کظیم۔

ترجمہ : اور (روکر) کہا اے میرے غم دینے والے یوسف پر اشک غم بہانے میں میرا ساتھ دے۔ اور (غم فراق یوسف میں ) روتے روتے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئی تھیں۔ سورہ یوسف ، آیت ۸۴

ایک شعر جناب مفتی اعظم میر عباس صاحب طاب ثراہ کا ہے۔

یوسف گرے جو چاہ میں یعقوب روئے تھے
ہر چند وہ نبی تھے مگر خوب روئے تھے

ابھی کچھ دن ہوئے سید شہاب الدین ممبر پارلیمنٹ اور راقم الحروف دہلی سے الہ آباد فساد زدوں کی خبر گیری کے لئے گئے۔ ہم لوگوں کے ساتھ جناب ذوالفقار اللہ صدر آل انڈیا

مسلم مجلس مشاورت بھی تھے۔ اور ان ہی کے دولت کدہ پر ہم لوگ ٹھہرے۔ یہ خبر پاتے ہی قریب بیس ستم زدہ مسلمان وہاں داد فریاد کو آگئے۔ ان میں شہید مظالم کفار ایک نوجوان گلشیر نامی کے ضعیف والد بھی تھے۔ وہ بیچارے اپنے بیٹے کی داستان شہادت سنا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اس وقت ایسا المناک ماحول بن گیا کہ ہم سب بھی مع ذوالفقار اللہ صاحب آبدیدہ ہوئے۔ اور شہاب الدین صاحب تو بیساختہ بآواز بلند روئے۔

❀❀❀